منصوبہ بندی

اسوۂ حسنہ سے ماخوذ ایک اصول کا جائزہ

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

تخلیق انسانی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں عدل وانصاف، ایمان واخلاق اور اعلیٰ اقدار پر مبنی ایسا معاشرہ قائم کرے جو ایک طرف حقوق اللہ کی ادائیگی کا اہتمام کرے تو دوسری طرف حقوق العباد کی نگرانی کا فریضہ بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق انجام دے۔ اس فریضے کو انجام دینے کے لیے انسان کو وسیع علم، انتظامی صلاحیت اور مضبوط عزم واستقامت اور خود اعتمادی جیسی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بغیر انسان اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے وقت سے ہی انسان کو علم کی صلاحیت، ذہانت، خیر وشر کی پہچان اور بہت سی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز دیا تھا، تاکہ وہ خلافت ارضی کی ذمے داریوں کو نبھا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف صلاحتیں عطا فرمانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بل کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وہ تمام ضروری علوم بہ ذریعہ وحی عطا فرمادئے تھے، جن کی انسان کو دنیا میں ضرورت پڑسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی تعلیم وتربیت فرمائی ہے، نیز قرآن حکیم میں جس طرح اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، ان سے ایک اصول جو نمایاں طور پر ابھرتا ہے اسے ہم اللہ تعالیٰ کی تدبیر کہہ سکتے ہیں۔ ہماری اجتماعی زندگی میں انفرادی یا اجتماعی امور کو علم وحکمت اور تدبیر کے ساتھ طے کرنا اب ایک باقاعدہ فن ہے۔ علمی زبان میں اسے فن انتظامی امور (Managemet Science) کہتے ہیں، اس فن کا سب سے اہم اصول منصوبہ بندی ہے۔

منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی اہم معاملے کو طے کرنے کے لیے ایسے لوگ منصوبہ بنائیں جو ایک طرف اپنے گردو پیش کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہوں، تو دوسری طرف اپنے وسائل و ذرائع سے بھی خوب واقف ہوں، وہ پورے تدبر اور علم وحکمت کے ساتھ زیر غور مسئلے کے تمام پہلوؤں کا

جائزہ لے کروہ پہلو اختیار کریں، جو ملک وملت کے لیے مفید ہو، قابل عمل ہو اور جس کے ذریعے طے شدہ مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھی حسن تدبیر اور حکمت عملی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اصول کو بہتر انداز میں وہی اقوام استعمال کرسکتی ہیں جو علم وحکمت کی دولت سے مالا مال ہوں، اور جن میں نظم وضبط، اجتماعیت، اخلاقی اقدار اور تہذیبی روایات مستحکم ہوں، لہٰذا منصوبہ بندی خواہ کوئی فرد اپنے ذاتی امور سے متعلق انجام دے، یا ارباب حل وعقد ملکی اور ملی معاملات سے متعلق تمام امور میں اس کی ضرورت ہے، جس کے ذریعے لوگ اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں منصوبہ بندی کے ذریعے کامیابی حاصل کرسکیں۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے انہیں وسیع علم، حرب اور حکمت وکردار کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا سب سے پہلے اسے نظام تعلیم وتربیت کے لیے منصوبہ بندی درکار ہوتی ہے، جو یہ صلاحیتیں پروان چڑھا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس کائنات میں غور وفکر کیجیے، تو صاف طور پر نظر آئے گا کہ خالقِ کائنات نے کمال علم وحکمت کے ساتھ اور ایک جامع منصوبے کے تحت اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔ قرآن حکیم کی بعض آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق اور منصوبہ بندی پر دلالت کرتی ہیں۔

مثلاً یہ آیت مبارکہ:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ○ (۱)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور بے کار پیدا کیا ہے، اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

اس آیت مبارکہ میں غور کریں تو دو باتیں واضح طور پر نمایاں ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ تخلیق انسان کے طے شدہ مقاصد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش لے کر یوم قیامت تک ہر چیز کو ایک منظم منصوبے کے تحت تخلیق فرمایا، اور یہ کہ کائنات کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے منصوبے کے مطابق تا قیامت چلتا رہے گا۔

شریعت اسلامیہ میں منصوبہ بندی کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کی ان آیات کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس کائنات اور اس کے نظم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر وحکمت پر روشنی ڈالتی ہیں:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۲)

یقیناً آپ کا رب تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں تخلیق کیا، اور پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا، (مخلوق کے) معاملات کی وہی تدبیر کرتا ہے۔

تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ معاملات کو حکمت و مصلحت اور نتائج پر نظر رکھ کر انجام دیا جائے۔ ابن منظور نے اس لفظ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

والتدبیر ان یتدبر الرجل امرہ ویدبرہ ای ینظر فی عواقبہ (۳)

تدبیر یہ ہے کہ انسان اپنے معاملے میں غور وفکر کرے اور یہ دیکھے کہ اس کام کا نتیجہ کیا برآمد ہوگا۔

کوئی تدبیر اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور نہ کرلیا جائے۔ حسن تدبیر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ زیر غور مسئلے کے ظاہری پہلوؤں کے ساتھ اس کے پوشیدہ پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا جائے، یہ مفہوم تدبیر کے مادے سے اخذ کیا گیا ہے۔ لفظ تدبیر کا اصل مادہ د، ب، ر ہے جس کا مطلب ہے پچھلا حصہ (جو نگاہوں سے اوجھل ہو) یا وہ پوشیدہ حصہ جو عام طور پر چھپا ہوا ہوتا ہے۔ تدبیر یا منصوبے بندی کرتے ہوئے پوشیدہ اور اوجھل پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ یونس کی مذکورہ آیت مبارکہ میں غور وفکر سے تین چیزیں نمایاں ہوتی ہیں۔ پہلی چیز تدریج ہے، دوسری چیز نظم وترتیب ہے، اور تیسری چیز ارتقا ہے۔

یہ تینوں چیزیں ایک عمدہ منصوبہ بندی کا حصہ ہیں۔ ایک اعلیٰ منصوبہ بندی کرنے والا شخص کسی کام کو شروع کرنے کے بعد فارغ ہوکر نہیں بیٹھ جاتا بلکہ مسلسل اس کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تخلیق کائنات کے منصوبے اور اس کی نگرانی کو سورۃ رعد میں قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ○ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ○ (۴)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند رکھا ہے، تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو پھر اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ افروز ہوئے، اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا

(اپنی ڈیوٹی پر لگایا) ان میں سے ہر ایک اپنی مقررہ مدت تک کے لیے گردش کر رہا ہے۔
وہی تمام معاملات کا انتظام کرتا ہے۔ اور اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا یقین کرلو۔

ہم نے یہاں سورہ الرعد کی آیات دو اور تین کو نقل کیا ہے، طوالت کی وجہ سے آیت نمبر چار کو چھوڑ دیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے نظم کو بیان کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز فطرت کے طے کردہ قواعد وضوابط کے مطابق اپنے اپنے عمل میں مصروف ہے۔ افلاک وارض کی ہر چیز میں جو اثر وتاثیر نظر آ رہی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہے۔

تخلیق کائنات میں تدریج کی تفصیل بھی قرآن حکیم میں ملتی ہے:

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (۵)

اللہ تعالیٰ زمین کو دو دن میں تخلیق کیا۔

اس کے بعد زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ قائم کیا، اس زمین میں انسانی معیشت کا تمام سامان رکھا:

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ (۶)

اور اس زمین پر پہاڑ بنائے، اور اس زمین میں برکتیں رکھیں، اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا (یہ سارے کام) چار دن میں مکمل ہوئے۔

زمین کی طرح آسمانوں کی تخلیق کا کام بھی دو دن میں انجام پایا:

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (۷)

پھر (اللہ تعالیٰ نے) دو دن میں سات آسمانوں کو بنایا، اور ہر آسمان کو اس کا عمل الہام کر دیا اور آسمان دنیا کو مشعلوں (ستاروں) سے مزین کیا اور محفوظ بھی کیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم وخبیر کے اندازے (تدبیریں) ہیں۔

تخلیق کائنات سے متعلق آیات کی تفسیر میں ہمارے سارے مفسرین یہی لکھتے ہیں کہ زمین وآسمان کی تخلیق کا عمل چھ دنوں میں مکمل ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین پیدا فرمائی، دو دنوں میں آسمان بنائے اور پھر دو دنوں میں پہاڑ، سمندر بنائے اور تمام جان دار مخلوق کی معیشت کا سامان زمین کے اندر اپنے اندازے کے مطابق رکھا۔ (۸)

مذکورہ آیات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارض وسما میں مکمل اعتدال اور توازن قائم کیا ہوا ہے اور امور کائنات کو وہ پورے نظم وضبط کے ساتھ اور اپنی تدبیر و منصوبے کے تحت چلا رہا ہے تو انسانوں کو بھی فلاح وکام یابی کے لیے اپنے معاملات کو حسن تدبیر اور جامع منصوبے بندی کے ساتھ چلانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت وتدبیر صرف تخلیق کائنات تک محدود نہیں، اس کی تدبیر کا دائرہ ارض وسما اور مخلوق کے تمام امور کو محیط ہے۔ ہم یہاں بہ طور مثال قرآن کریم کے نزول اور اس کی حفاظت کے اہتمام کا جائزہ لیں گے، اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ قرآن حکیم کی حفاظت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت وتدبیر اور منصوبہ بندی کس طرح کارفرما نظر آتی ہے۔

قرآن حکیم (الفاظ و معانی) علیم الٰہی کا حصہ ہے، اور بہ طور علم اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح ذات باری تعالیٰ کا ازلی وابدی جز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا وہ حصہ جوامت کی مسلمہ کی رہ نمائی اور ہدایت کے لیے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرنا چاہتا تھا، دستاویز (ریکارڈ) کی صورت میں لوح محفوظ میں محفوظ کر دیا۔ لوحِ محفوظ وہ محفوظ ترین مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے تمام امور، اپنے فیصلے اور ارض وسماء سے متعلق تمام احوال ومنصوبے دستاویزی صورت میں محفوظ کر دیے ہیں۔ قرآن حکیم صفتِ الٰہی کی صورت میں تو محفوظ تھا لیکن اب دستاویز کی شکل میں بھی محفوظ ہو گیا، لوح محفوظ میں دستاویزی شکل میں محفوظ ہونا حفاظت قرآن کا پہلا مرحلہ تھا:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍO (۹)

بل کہ یہ قرآن عظیم الشان ہے، لوح محفوظ میں موجود ہے۔

لوح محفوظ عرش الٰہی کے داہنی جانب وہ محفوظ ترین مقام ہے جہاں کسی جن یا شیطان کی رسائی ممکن نہیں، ملائکہ اس کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں۔ عبدالرحمٰن بن سلمان کی روایت کے مطابق حضرت اسرافیل علیہ السلام ہر وقت اس کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ لیکن ان ملائکہ کو لوحِ محفوظ میں موجود ستاویزات کے مندرجات تک رسائی حاصل نہیں۔ (۱۰) صرف حضرت جبریل علیہ السلام کو لوحِ محفوظ تک رسائی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر وحی نازل فرمانا چاہتے ہیں۔ اس وقت بھی حضرت جبریل کی رسائی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی جانب سے اجازت پر حاصل ہوتی ہے۔ وحی یا کلام اللہ کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نازل کرنا چاہتے ہیں، جبریل علیہ السلام صرف اتنا حصہ لے کر اللہ کے رسول تک پہنچاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی کی حفاظت کے سلسلے میں نزول وحی کا مرحلہ بھی بہت اہم اور قابل ذکر ہے۔ جبریل امین جب وحی لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ روح کی شکل میں آتے ہیں۔ جبریل امین کا روح کی شکل میں وحی لے کر آنا حفاظت قرآن کا دوسرا مرحلہ ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ○ (۱۱)

بلا شبہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ (کلام) ہے، روح الامین سے لے کر اترے ہیں، تا کہ آپ کے قلب میں اسے اتار دیں، تا کہ آپ (اس کلام کے ذریعے) لوگوں کو متنبہ کریں۔

کلام اللہ کی حفاظت کے اہتمام میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ اسلام کو روح کی شکل میں بھیجنے کا انتظام فرمایا، اس لیے کہ روح پر کسی بھی قوت کے اثر انداز ہونے کا احتمال نہیں ہوتا، البتہ مادی اجسام پر فضا میں پھیلی ہوئی شیطانی قوتیں اثر انداز ہوسکتی ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ اہتمام بھی کر دیا کہ روح الامین کلام الٰہی کو لے کر نازل ہوں اور باطل کی کوئی قوت کسی بھی صورت میں اثر انداز نہ ہوسکے۔ (۱۲)

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ○ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ○ (۱۳)

یقیناً یہ عظیم المرتبت کتاب ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے، یہ (کتاب) تو بہت حکمت والے اور قابل ستائش ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

روح کی شکل میں بھیجنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ روح بہت سریع الحرکت ہوتی ہے، اس کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس قدر سریع الحرکت چیز میں کسی بھی قوت کا مداخلت کرنا ناممکن ہے۔ نزول قرآن کے سارے عمل میں اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام لوح محفوظ سے قلب رسول تک اور قلب رسول سے لسان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر قسم کی آمیزش و تحریف سے پاک رہے، وہ حق وصداقت کے ساتھ نازل ہو، اور حق وصداقت کے ساتھ ہی اس کا ظہور ہو:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (۱۴)

ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیرونی مداخلت سے حفاظت کے ساتھ ساتھ داخلی طور پر بھی حفاظت کا

انتظام فرمایا، اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ کلام اللہ کو قلب رسول پر نازل کرنے والا نہایت دیانت دار ہے، وہ خود امین ہے، لہٰذا ان کی جانب سے کسی قسم کی آمیزش، تغیر و تبدیلی یا کمی بیشی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ وہ امین ہیں اور اس عظیم امانت کو نہایت دیانت داری کے ساتھ پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

رمضان المبارک میں قرآن کریم کے نزول کی حکمت پر غور کیجیے تو اس میں حفاظت قرآن کی مصلحت نمایاں نظر آتی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۱۵)

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا۔

رمضان المبارک کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

اذاجاء رمضان فتحت ابواب الجنة، وغلقت ابواب النار، و صدفت الشیاطین (۱۶)

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

ایک طرف اللہ تعالیٰ شیاطین کو رمضان میں محبوس کر دیتے ہیں، دوسری طرف اس ماہ کی اس شب کو جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا بہت بابرکت اور قدر و عظمت والی شب قرار دیتے ہیں:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (۱۷)

ہم نے اس کلام کو بہت بابرکت رات میں نازل کیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (۱۸)

ہم نے اس کتاب کو بہت قدر و عظمت والی شب میں نازل کیا۔

مندرجہ بالا آیات سے صرف رمضان المبارک کی قدر و منزلت کا اظہار نہیں ہو رہا ہے، یہ آیات قرآن کی عظمت اور قدر و منزلت کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ جب کسی کلام کا تقدس، عظمت و احترام قائم ہو جاتا ہے تو اس کلام کی حفاظت کا اہتمام بھی ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشروں میں مقدس و محترم کلام کو نہ مٹانا آسان ہے اور نہ ہی اس میں تغیر و تبدل آسان ہوتا ہے۔ ہم یہ بات پورے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ جب تک امت مسلمہ کے دلوں میں قرآن حکیم کی عظمت، محبت اور اس سے گہرا تعلق موجود ہے، اس وقت تک یہ کلام ہر قسم کی آمیزش اور تحریف وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

کلام اللہ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک اور لطیف تدبیر رہی ہے، وہ یہ کہ جس قلب پر کلام اللہ

کا نزول ہونا تھا اسے اس قدر منور اور طاقت ور بنا دیا جائے کہ وہ نہ صرف کلام اللہ کی عظمت و تقدس، اس کے ہیبت و جلال اور عظیم امانت کے تحمل کو برداشت کر سکے بل کہ الفاظ و معانی کو بھی پوری طرح اپنے قلب میں محفوظ کرنے کے قابل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب و فکر کا تزکیہ اور تطہیر کا عمل تو پیدائش سے پہلے ہی شروع فرما دیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کے وہ تجربات قابل غور اور اہمیت کے حامل ہیں جو انہیں دوران حمل یا بہ وقت ولادت پیش آئے۔ (۱۹) وہ تمام معتبر روایات جو ہمیں ان واقعات کے بارے میں ملتی ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش یا اس سے قبل دوران حمل پیش آئے، انہیں یک جا کر کے دیکھا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی روحانی تربیت، تطہیر، قلب و فکر اور تزکیہ نفس کا خاص طور پر اہتمام فرمایا تھا، اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو مہبط وحی بننا تھا، اور کلام الٰہی کو آپ دل و دماغ اور عملی زندگی میں محفوظ کرنا تھا۔

تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کے سلسلے میں سب سے اہم واقعہ شق صدر ہے۔ شق صدر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کئی مرتبہ پیش آیا، ان واقعات میں دو مرتبہ پر اکثر سیرت نگار متفق ہیں، بعض چار مرتبہ کی روایات کو تسلیم کرتے ہیں، وہ محدثین اور سیرت نگار جو روایات کو جرح و تعدیل کے اصولوں پر پرکھتے ہیں وہ دو مرتبہ شق صدر کے واقعے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

شق صدر کا پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چار سال تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں زیر پرورش تھے، قبیلہ بنو سعد کے علاقے کی صاف شفاف صحرائی فضا میں بچپن کے دن گزار رہے تھے۔ ایک روز آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ آبادی سے باہر نکلے تو دو سفید پوش لوگ نمودار ہوئے، انہوں نے اس معصوم بچے کو پکڑ کر لٹایا اور اس کے سینے کو چاک کر کے دل کو باہر نکالا، قلب کو زمزم سے دھویا، قلب کے اندر سے کوئی چیز نکالی اور یہ کہہ کر پھینک دی کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ قلب کو حکمت و معرفت کے انوارے سے بھر کر دوبارہ سینے میں رکھ کر بند کر دیا۔ رضاعی بھائی جو اس موقع پر وہاں موجود تھے گھبرائے ہوئے پریشانی کی حالت میں گھر آئے اور اہل خانہ کو سارا واقعہ بتایا۔

حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر گھبرا کر دوڑتے ہوئے وہاں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ معصوم بچہ یعنی محمد بن عبداللہ ﷺ کھڑے ہوئے ہیں، ان کے چہرے کا رنگ فق ہے اور ان پر خوف کی کیفیت

طاری ہے۔ حضرت حلیمہؓ نے بچے کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگالیا، پھران سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے؟ معصوم بچے نے سارا واقعہ انہیں بتایا تو دونوں حضرت حلیمہ اوران کے شوہر پریشان ہو گئے، انہوں نے سمجھا کہ شائد ان پر جن وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے، حضرت حلیمہ نے اس واقعے کے بعد ارادہ کرلیا کہ اس بچے کو ان کی والدہ ماجدہ کے پاس بھیج دیں۔

چناں چہ اس ارادہ سے حضرت حلیمہ بچے کو لے کر آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئیں تو حضرت آمنہؓ کو حیرت ہوئی کہ یہ بچے کو کیوں واپس کرنے آئی ہیں۔ حضرت آمنہؓ کے اصرار پر حضرت حلیمہ نے تمام واقعہ انہیں بتایا اور یہ کہا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کوئی جن یا شیطانی قوت اس بچے کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائے۔ تمام حالات سن کر حضرت آمنہؓ نے کہا کہ نہ کوئی جن میرے اس بچے کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی شیطانی قوت اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے، اس لیے کہ میں نے اپنے بیٹے کی شان و عظمت کا مشاہدہ دوران حمل اور بہ وقت ولادت کرلیا ہے۔ اس بچے پر تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے۔(۲۰)

شق صدر کے پہلے واقعے کو ہم نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کیا ہے کہ اس واقعے کا قلب رسول کے تزکیہ وتطہیر سے خاص تعلق ہے، اور طاقت ور منور ومطہر قلب رسول کا کلام اللہ کی حفاظت اور اس کے ابلاغ میں نمایاں کردار رہا ہے۔

شق صدر کے واقعے کے پس پردہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہوں گی۔ ان سب کا ادراک انسانی عقل وفہم کے لیے ممکن نہیں، البتہ اس واقعے میں غور وفکر کریں تو یہ حکمت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنے کلام کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ شق صدر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قلب رسول کو وہ تقویت، پاکیزگی اور نورانیت عطا فرمائی کہ آپ ﷺ نے نہ صرف خود کلام اللہ کو اپنے قلب و دماغ میں محفوظ کرلیا بل کہ اپنے صحابہ کرام کو بھی تزکیہ نفس کے عمل سے گزار کر اس قابل کردیا تھا کہ ان کے قلوب اور ان کی عملی زندگی بھی کلام الٰہی کی حفاظت کا ذریعہ بن گئی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے منصوبے کا حصہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے افعال میں جو تدبیر نظم اور اعتدال نظر آتا ہے اس کی جھلک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں بھی نظر آتی ہے۔ سیرت طیبہ کا عمیق مطالبہ کیجیے تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ آپ کے فیصلے بھی باقاعدہ منصوبہ بندی کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتے تھے۔ اس مقالے میں ہم آپ کے چند فیصلوں کا جائزہ لیں گے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے معاملات میں

کس طرح منصوبہ بندی فرمایا کرتے تھے اور نظم ملت سے متعلق امور کس طرح طے فرماتے تھے۔

امت مسلمہ کی تاریخ میں دو ہجرتوں، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کو اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ درج ذیل سطور میں ہم پہلے ہجرت حبشہ کے فیصلے میں منصوبہ بندی کا جائزہ لیں گے اور پھر ہجرت مدینہ کے لیے منصوبہ بندی کا جائزہ لیں گے۔

ہجرت حبشہ کا واقعہ نبوت کے پانچویں سال پیش آیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کا مشورہ دینے سے قبل منصوبہ بندی کے دو عناصر کو ملحوظ رکھا، ایک ہجرت کے مقاصد کا تعین تھا اور دوسرے ہجرت سے قبل سرزمین حبشہ کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات کا تجزیہ تھا۔ جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو سرفہرست مقصد تو یہ تھا کہ سرزمین مکہ میں مسلمانوں پر جو عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا، اور جس ظلم وستم کا وہ شکار تھے اس سے انہیں نجات دلائی جائے۔ آپ کو ایک ایسے خطے کی تلاش تھی جہاں مسلمانوں کے جان و مال کو تحفظ حاصل ہو سکے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ سرزمین مکہ جہاں انہیں اپنے دین کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی وہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ ہجرت کر جائیں، جہاں وہ اپنے دین پر بلا روک ٹوک عمل کر سکیں۔ ہجرت حبشہ میں یہ دونوں مقاصد نمایاں نظر آتے ہیں۔

ترک وطن کر کے کسی دور دراز اجنبی خطے میں جا کر آباد ہونے کا فیصلہ ایک مشکل ترین فیصلہ ہوتا ہے، لہٰذا اس بات کو پہلے سے یقینی بنانا ضروری ہوتا ہے کہ اس علاقے میں جا کر آباد ہونے سے وہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا حاصل نہیں ہو سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس حبشہ کے حالات جاننے کے لیے دو ذریعے تھے۔ ایک ذریعہ تو حبشہ کے وہ تاجر تھے جو اپنا تجارتی مال لے کر مکہ مکرمہ کے تجارتی میلوں میں آیا کرتے تھے، یا مکہ مکرمہ کے وہ تاجر جو تجارتی سلسلے میں حبشہ جاتے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے ذاتی طور پر ملاقاتوں کے لیے تشریف لے جاتے اور ان سے وہاں کے حالات معلوم کیا کرتے تھے۔ دوسرا ذریعہ وہ زائرین اور حجاج تھے جو بیت اللہ کی زیارت کے لیے ایام حج میں یا اشہر حرم (حرمت والے مہینے) میں آیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ملاقاتوں کے لیے بھی جایا کرتے تھے۔ ان سے نہ صرف وہاں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے بل کہ موقع ومحل کی مناسبت سے دین کا پیغام بھی پہنچایا کرتے تھے۔ اس طرح متفرق ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کو پرکھ کر آپ ﷺ نے حبشہ کے بارے میں رائے قائم فرمائی، وہاں کی سیاسی اور معاشرتی صورت حال کا جائزہ لیا، وہاں کے حکمران کے بارے میں رائے قائم کی، پھر مطمئن ہو کر مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ بلاد حبشہ ہجرت کر جائیں:

لو خرجتم الیٰ ارض حبشة فان بها ملکا لایظلم عنده احد، وهی ارض صدق حتی یجعل الله لکم فرجا مما انتم فیه (۲۱)

یہ مناسب ہوگا کہ تم حبشہ چلے جاؤ، اس لیے کہ وہاں ایسا بادشاہ حکم ران ہے جس کی مملکت میں کسی پر ظلم نہیں ڈھایا جاتا، یہ سرزمین صدق ہے (تم وہاں اس وقت تک قیام کرو) جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان مصائب سے نکلنے کی کوئی اور راہ پیدا فرمادے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ رائے قابل اعتماد ذرائع سے حاصل شدہ معلومات، ان کے تجزیہ اور اپنے استدلال پر مبنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مشورے پر مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور سال ہا سال وہاں قیام کیا۔ کچھ حضرات ہجرت مدینہ کے بعد بھی کچھ عرصے وہاں قیام پذیر رہے۔ تقریباً ایک دہائی یا اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ سرزمین حبشہ میں مسلمانوں کے قیام نے رسول اکرم ﷺ کی حبشہ کے بارے میں قائم کردہ رائے کو بالکل درست ثابت کیا۔ بعد کے حالات اور تاریخ نے آپ ﷺ کے تبصرے کے ایک ایک لفظ کو صحیح ثابت کیا۔ (۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا اہم ترین فیصلہ، جس کا ہم جائزہ لینا چاہتے ہیں، وہ ہجرت مدینہ ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مقام ہجرت خواب میں دکھایا گیا تھا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کسی نخلستانی علاقے کی طرف ہجرت فرمارہے ہیں۔ نخلستان کو دار ہجرت دیکھ کر رسول اکرم ﷺ کو خیال ہوا کہ شائد یمامہ یا حجر میں سے کوئی جگہ دار ہجرت قرار پائے گی، لیکن سرزمین یثرب ہی آپ کا دار ہجرت قرار پائی۔ (۲۳) یثرب کو ایک مستقل دارالہجرت بننا تھا، لہٰذا یہاں ہجرت کے لیے زیادہ غور وفکر اور بہتر منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

یثرب کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اہل یثرب کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرلیا تھا۔ وہاں سے آنے والے اور وہاں جانے والے تاجروں کے ذریعے بھی اور وہاں سے آنے والے زائرین اور حجاج کے ذریعے بھی۔ لیکن سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ قریش مکہ کے تاجر تھے جو اپنا سامان تجارت لے کر وہاں جایا کرتے۔ یہ لوگ وہاں کے سیاسی ومعاشی اور معاشرتی حالات جاننے کا ذریعہ تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا بھی بچپن میں یثرب جانا ثابت ہے، لیکن یہ سفر کم عمری میں پیش آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمر مبارک چھ برس تھی، تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر یثرب گئی تھیں۔ اس سفر کی دو وجوہات تھیں ایک تو آپ کے دادا کے ننہالی خاندان بنونجار کے لوگ یہاں آباد تھے،

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور حضرت آمنہ کے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر یہاں تھی۔ اس لیے حضرت آمنہ نے یہاں کا سفر کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دادا کے ننہالی رشتہ داروں سے ملوادیں، اور اپنے شوہر کی قبر پر بھی حاضری دیں۔ (۲۴)

اگر چہ محمد ﷺ نے یہ سفر بہت کم عمری میں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت اور مضبوط حواس عطا فرمائے تھے، اس لیے یہاں کی بہت سی باتیں اور جگہیں انہیں ہجرت کے بعد بھی یاد تھیں۔ مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے تجارتی میلے (اسواق) بہت شہرت رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے آنے والے وفود سے ملاقاتوں کے لیے یہاں تشریف لایا کرتے تھے اور ان سے نہ صرف وہاں کے حالات دریافت کرتے بل کہ مناسب موقع دین اسلام کی دعوت بھی موثر انداز میں پیش فرمایا کرتے تھے۔

نقل مکانی اور ہجرت کا معاملہ بہت سنجیدہ اور بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ جس خطۂ ارضی میں ہجرت کر کے جائیں وہاں کی اجتماعی زندگی، رسم ورواج اور سیاسی نظم کے بارے میں پوری طرح آگاہی ہونا چاہیے، اور وہاں کے بااثر طبقات کے ساتھ بھی باقاعدہ کوئی معاملہ طے پاجانا چاہیے۔ اور اگر کوئی معاہدہ طے پاجائے تو اسے فی الوقت صیغہ راز میں رہنا چاہیے اور اہل مکہ کو اس کا علم نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ وہ معاہدے کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے یثرب سے آنے والے کچھ لوگوں کے ساتھ عقبہ کے مقام پر رات کے وقت خفیہ ملاقاتوں کا اہتمام کیا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر یثرب سے آنے والے کچھ لوگوں کے ساتھ رات کے وقت عقبہ کے مقام پر ملاقات کی۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو غور سے سنا۔ توحید ورسالت اور ایمان کا پیغام بھی بہ راہ راست رسالت مآب کی زبان سے سنا، آپ ﷺ نے اخلاقی اقدار اور اصولوں کی اہمیت کو اجاگر فرمایا۔ عقبہ کے مقام پر یہ پہلی ملاقات تھی، وفد کے سب ہی لوگ آپ کی باتوں اور آپ کی شخصیت سے متاثر ہوئے، اور آئندہ سال پھر حج کے موقع پر اسی جگہ ملاقات کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔

اگلے سال بارہ افراد پر مشتمل ایک بڑا وفد آیا، اس میں اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے لوگ شریک تھے، انہوں نے بھی عقبہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اس ملاقات کو بھی خفیہ رکھا گیا۔ اس اجلاس میں آنے والے وفد کے تمام ارکان نے اسلام قبول کر کے باقاعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اس بیعت کے تین اجزا تھے:

پہلا جز ایمان کا اقرار،

دوسرا جز اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اپنانا

اور تیسرا جز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھا

اس ملاقات میں ایک اہم فیصلہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک انتہائی معتمد، ذہین و فاضل صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اہل یثرب کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجنے کا اعلان فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اللہ تعالیٰ نے ابلاغ اور تفہیم کی خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ ایک اعلیٰ درجے کے معلم تھے اور بہت مخلص مربی بھی تھے، ساتھ ہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر اور خصوصی نمائندے کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ حضرت مصعبؓ نے ان تمام حیثیتوں میں اپنے فرائض اور ذمے داریوں کو بہت کامیابی کے ساتھ نبھایا۔ حضرت مصعبؓ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اسلام کی اشاعت کا کام بہت تیز ہوگیا، سفارت کاری اور اخلاقی تربیت کے نتیجے میں اوس وخزرج کے قبائل باہمی دشمنیوں کو بھلا کر اسلامی اخوت و وحدت کا حصہ گئے، قبائلی گروہیت اور علاقائیت سے نکل کرامت کا تصور واضح ہونے لگا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے سال بھر بڑی محنت واخلاص کے ساتھ یثرب میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور بیعت عقبہ ثانیہ سے پہلے مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ آنے کے بعد انہوں نے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں کے تمام حالات سے آگاہ کیا ہوگا، وہاں کے بدلتے ہوئے حالات پر روشنی ڈالی ہوگی، پھر ان تمام معلومات کی روشنی میں آئندہ سال ایک حتمی اجلاس کا اہتمام کیا۔ اہل یثرب کے ساتھ آپ نے اپنی کی تیسری ملاقات کے انتظامات مکمل فرمائے۔ اس مرتبہ یثرب سے ایک بہت بڑا وفد آیا جو بہتر افراد پر مشتمل تھا، اوس وخزرج دونوں قبائل کے نمائندے اس وفد میں شامل تھے، ان میں دو خواتین بھی تھیں۔ اس وفد کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ بھی عقبہ کے مقام پر ہوا، آخر میں اس وفد کے تمام ممبران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس مرتبہ ایمان واخلاق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل تحفظ فراہم کرنے اور ضرورت پڑنے پر آپ اور آپ کے صحابہ کرام کا دفاع کرنے کے عہد پر بھی بیعت کی۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ اس اجلاس کی بھی ساری کاروائی کو مکمل راز داری میں رکھا گیا۔ (۲۵) بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ایک اور اہم پیش رفت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے یثرب کے قبائل کو متحدہ و منظم کرنے کے لیے بارہ نقیبوں کو مقرر فرمایا۔ نقیبوں کے تقرر کے لیے طریقہ کار یہ اختیار فرمایا کہ آپ نے وفد کے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے میں سے بارہ

لوگوں کے نام پیش کرو، میں انہیں بہ طور نقیب مقرر کروں گا، تاکہ وہ اپنے لوگوں کی نگرانی کا فریضہ بھی انجام دیں اور اجتماعی معاملات میں بھی لوگوں کی رہ نمائی کریں۔ نقیبوں کے تقرر کے بعد آپ ﷺ نے انہیں ان کے فرائض سے اس طرح آگاہ فرمایا:

انتم علی قومکم بما فیھم کفلاء ککفالۃ الحواریین لعیسی بن مریم و أنا کفیل علی قومی یعنی المسلمین. قالو انعم (۲۶)

تم اپنی قوم کے معاملات کے اس طرح ذمے دار ہو جس طرح عیسی بن مریم کے حواری ذمے دار تھے، اور میں بھی اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا ذمے دار ہوں، نقبا نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ الفاظ پر غور کیجیے تو یہ بات واضح نظر آئے گی کہ آپ نے ان نقیبوں کو ہر قسم کی دینی و معاشرتی اور سیاسی امور سے متعلق ذمے داریاں ان کے سپرد کی تھیں۔ ان نقبا نے مدینہ منورہ کی اجتماعی زندگی کے ارتقا اسلام کی ترویج واشاعت اور مملکت مدینہ کے استحکام میں عظیم الشان کردار ادا کیا۔ (۲۷)

ہم نے ہجرت مدینہ سے پہلے ہونے والے واقعات، مذاکرات اور معاہدات کو تفصیل سے اس لیے بیان کر دیا ہے، تاکہ ان کی روشنی میں ہجرت کے لیے کی جانے والی منصوبہ بندی کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں اہل ایمان اور دین اسلام دونوں کو نہ صرف تحفظ فراہم کرنے کا پروگرام تھا بل کہ اشاعت دین کے لیے اور یثرب کے سیاسی، معاشرتی حالات کو بہتر بنانے کے لیے بھی کچھ تجاویز تھیں جو ہجرت کے منصوبے ہی کا حصہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ خاموشی کے ساتھ یثرب چلے جائیں۔ صحابہ کرام نے راز داری کے ساتھ انفرادی طور پر بہت چھوٹے چھوٹے گروہ کی صورت میں ترک وطن کر کے یثرب پہنچانا شروع کر دیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔

منصوبہ ہجرت کے چند نمایاں پہلو تھے، سر فہرست یہ تھا کہ اس سفر کے تمام مراحل کو پوری طرح راز میں رکھا جائے، بہترین رفیق سفر کا انتخاب کیا جائے، محفوظ ترین راستے کا تعین کر لیا جائے۔ چناں چہ پہلے مرحلے میں یہ طے کیا کہ مکہ مکرمہ سے نکل کر کسی ایسے خفیہ مقام کا انتخاب کیا جائے جہاں چند روز قیام کر کے اہل مکہ کے ردعمل کا بھی جائزہ لیا جاسکے، اور اپنے آپ کو ان کی پہنچ سے بھی محفوظ رکھا جاسکے۔ ان ذمے داریوں کو نبھانے کے لیے آپ نے مناسب لوگوں کا تعین فرمایا۔ منصوبہ ہجرت پر عمل شروع ہوا تو اپنے

رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں غار ثور جو جنوب کی طرف یمن کے راستے میں واقع تھا، پہلی منزل قرار پایا۔ یہاں ان دونوں حضرات نے تین روز قیام کیا۔ دوران قیام قریش مکہ کے ردعمل اور ان کے عزائم سے مطلع کرنے کی ذمے داری، غار ثور میں خوراک پہنچانے کی ذمے داری، سب سے بڑھ کر یہ خوراک اور اہل مکہ کے ردعمل کے بارے میں معلومات پہنچانے والوں کی صحرا میں آمدورفت کی وجہ سے جو آثار و نشانات پیدا ہو رہے تھے، جو غار میں چھپے ہوئے مسافرین کی نشان دہی کرنے کے لیے کافی تھے، انہیں محو کرنے کی ذمے داری، اور پھر غار ثور سے یثرب تک سفر کے لیے گائڈ کا تعین اور اس کے فرائض، یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ طے کر لیا گیا تھا۔ جو کام جس فرد کے ذمے لگا گیا تھا وہ اس نے پورے احساس فرض اور ذمے داری کے ساتھ نبھایا۔ (۲۸)

ہجرت کے مقاصد

کوئی بھی اہم اور جامع منصوبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک اس عمل کے مقاصد کا تعین نہ کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں ہجرت یثرب کے مقاصد واضح ہے۔ سر فہرست مقصد تو یہ تھا کہ اہل ایمان کو مکہ والوں کے ظلم وستم سے نجات دلائی جائے، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ مل جائے، یہ بھی مقاصد میں شامل تھا کہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کر سکیں، عبادات اور دینی احکام پر عمل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، امت مسلمہ کو منظم کر کے امت کی وحدت کو مستحکم کر دیا جائے۔ اسلام ساری انسانیت کا دین ہے، لہٰذا دعوت دین کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے اور دین کا پیغام سارے انسانوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچانے کی سہولت میسر ہو جائے۔

جہاں تک جان و مال کے تحفظ کا تعلق ہے تو اس کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اوس وخزرج کے بڑے مضبوط قبائل سے معاہدہ کر کے تحفظ کی ضمانت حاصل کر لی تھی۔ لیکن رسول اکرم نے صرف اس معاہدے پر اکتفا نہیں کیا بل کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وہاں کی اجتماعی، سیاسی اور قبائلی حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کے لیے بہت سے ضروری اقدامات کیے، ان میں ایک اہم قدم یہ تھا کہ وہاں رہائش پذیر تمام لوگوں کے لیے مذہب، نسل، قبائلی اور گروہی تفریق سے بالاتر ہو کر علاقے میں امن وسلامتی کے قیام اور تمام گروہوں کے حقوق و فرائض کے تعین کے ایک تحریر تیار کی جو صحیفہ، کتاب یا دستور کے عنوان سے مشہور ہے۔ یہ صحیفہ تقریباً باون دفعات پر مشتمل ہے۔

اس دستوری تحریر کے نفاذ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسی آئینی مملکت وجود میں آگئی جہاں نہ صرف مسلمان بل کہ دیگر مذاہب کے پیروکار بھی، جنہوں نے دستور مدینہ کو قبول کر لیا تھا اس دستوری مملکت میں امن وسلامتی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، ان کے جان ومال، عزت وآبرو کو بھی تحفظ مل گیا، اور مذہبی معاملات کو بھی تحفظ حاصل ہوگیا۔ دستور مدینہ کے نفاذ سے مدینہ منورہ میں ایک آئینی نظم قائم ہوگیا، قانون کی بالادستی اور گرفت مضبوط ہوگئی، اور اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ بیرونی حملوں کی صورت میں مملکت مدینہ کے دفاع کا اہتمام بھی ہوگیا۔ اس طرح ایک ایسی دستوری حکومت اور معاشرہ وجود پذیر ہوا جہاں مختلف مذاہب اور مختلف خطوں کے لوگ مل جل کر رہ سکیں۔ (۲۹)

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ امت مسلمہ کی وحدت اور اس کا استحکام بھی ایک اہم مقصد تھا، اور اس مقصد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیشہ ترجیح حاصل رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف مدینہ منورہ کے تمام قبائل اور گروہوں کو ایک دستور کے تحت جمع فرما رہے تھے تو دوسری طرف انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ فرما رہے تھے۔ اس لیے کہ امت مسلمہ کی وحدت اور استحکام کے بغیر مقاصد ہجرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی۔ امت مسلمہ کی وحدت دین کا ایک بنیادی اصول ہے، اسے ہر صورت اور ہر حالت میں برقرار رکھنے اور مستحکم تر کرنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ قائم کر کے اُس فتنے کا قلعہ قمع کیا جو عبداللہ بن ابی اور بعض دیگر خفیہ قوتیں علاقائی اور نسلی تعصبات کو ابھار کر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کی نیشنل ازم کی تحریک اور علاقائیت کے متعصبانہ نعروں سے نمٹنے کے لیے مواخاۃ کا عمل بہت ضروری ہوگیا تھا، تاریخ گواہ ہے کہ مواخاۃ نے اس فتنے کے خلاف ایک مضبوط حفاظتی بند باندھ دیا تھا۔ (۳۰)

اسوہ حسنہ کی روشنی میں منصوبہ بندی کے موضوع پر ہماری مندرجہ بالا بحث سے منصوبہ بندی کے بہت سے زاویے اور مختلف پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ اس بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ منصوبہ بندی اسوہ حسنہ کا ایک ایسا اصول ہے، جس پر عمل کرنا واجب ہے، کام یاب منصوبہ بندی کے لیے وسیع علم، حالات وزمانہ پر گہری نظر، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور ذہانت وفراست کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ انسان جب اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی رہ نمائی فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (۳۱)

جو لوگ ہماری راہ میں جدو جہد کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے تک پہنچنے کے بہت سے راستے کھول دیتے ہیں۔

زندگی کے سفر میں ہر فرد کو کچھ نہ کچھ فیصلے کرنا پڑتے ہیں، کبھی کبھی نازک معاملات بھی پیش آجاتے ہیں جہاں فوری طور پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے، انسان کو ہر حالت میں اپنے علم، تجربے اور ذہانت کو استعمال کرنا چاہیے۔ ذہین اور صاحب علم انسان جلدی میں بھی صحیح فیصلہ کرلیتا ہے۔ وہ مختصر وقت میں بھی ایک قابل عمل منصوبہ اپنے ذہن میں تیار کرلیتا ہے، اور موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے بروقت فیصلہ کرلیتا ہے، اور اگر اسے وقت میسر آجائے تو پھر وہ دور رس نتائج کی جامع منصوبے بندی بھی اچھے انداز کرلیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں باقاعدہ منصوبے کے ساتھ امور کو انجام دینے کا اصول واضح طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ امت مسلمہ کو اپنے تمام معاملات، خواہ ان کا تعلق انفرادی امور سے ہو یا اجتماعی وملی امور سے، طے کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہی اسوۂ حسنہ کا اصول ہے۔ اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے سے ہی مومنانہ فراست پیدا ہوتی ہے، یہ ہی فراست اعلیٰ منصوبہ بندی کے لیے مطلوب ہے۔

حوالے

۱۔ المومنون:۱۱۵

۲۔ یونس:۳

۳۔ ابن منظور لسان العرب: بہ ذیل مادہ دبر

۴۔ الرعد:۲:۳

۵۔ حم السجدہ:۹

۶۔ حم السجدہ:۱۰

۷۔ حم السجدہ:۱۲

۸۔ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم: سورہ حم السجدہ آیات نمبر ۹ تا ۱۲ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے

۹۔ البروج:۲۱، ۲۲

۱۰۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ج ۴، ص ۴۹۸

۱۱۔ الشعراء:۱۹۲۔۱۹۴

۱۲۔ یہ نکتہ ہمارے شعبہ اکیڈمی کے سابق سیکریٹری اسلامی نظریاتی کونسل رفیق ڈاکٹر اکرام الحق یاسین نے پیش

کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

۱۳۔ حم السجدہ: ۴۲

۱۴۔ الاسراء: ۱۰۵

۱۵۔ البقرہ: ۱۷۵

۱۶۔ مسلم بن الحجاج القشیری۔ الجامع الصحیح: کتاب الصیام، باب وفضل شہر رمضان، رقم الحدیث ۲۴۹۵

۱۷۔ الدخان: ۳

۱۸۔ القدر: ۱

۱۹۔ دیکھیے ابن ہشام: السیرۃ النبویہ۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء: ج ۱۶۶۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت: ج ۱، ص ۱۰۶۔ ۱۰۸۔ السیوطی، جلال الدین۔ الخصائص الکبری۔ المکتبہ الحقانیہ، پشاور، ت ن: ج ۱، ص ۷۸

۲۰۔ ابن ہشام: ج ۱، ۱۳۷۔ ۱۷۶۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ج ۱، ۱۱۳۔ ۱۱۴

۲۱۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۳۴۴

۲۲۔ ارض حبشہ کے حالات کے تجزیے کے لیے دیکھئے، فاروقی، محمد یوسف۔ اسوہ حسنہ سے ماخوذ دستوری، قانونی اور انتظامی اصول۔ مجلّہ السیرہ عالمی، شمارہ ۲۷، ۲۰۱۲، ص ۲۳، ۲۶

۲۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح: کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ:

۲۴۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی۔ ادارہ اسلامیات، لاہور ۲۰۰۲ء: ج ۱، ص ۱۳۶۔ دانا پوری، عبد الروف۔ اصح السیر نور محمد کراچی ت ن۔ عبد المطلب بن ہاشم کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو قبیلہ بنو نجار سے تھیں، دیکھیے ابن ہشام، السیرۃ: ج ۱، ص ۱۷۷

۲۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے، ابن ہشام: ج ۲، ص ۷ تا ۱۱۰۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ: باب بدء اسلام انصار، ج ۳۳۳

۲۶۔ ابن ہشام۔ السیرہ النبویہ: ج ۲، ص ۸۸۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ج ۱، ص ۳۴۷، ابن کثیر۔ البدایہ والنھایہ: ج ۳، ص ۱۶۲

۲۷۔ نقابہ عہد رسالت میں ایک معاشرتی اور سیاسی ادارہ تھا، اس ادارے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، فاروقی، محمد یوسف۔ عہد رسالت میں مملکت اور معاشرے کی تشکیل۔ اظہار القران، لاہور ۲۰۱۲ء: ۱۹۹۔ ۲۱۵

۲۸۔ سفر ہجرت کی منصوبہ بندی کی تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ جاوید اقبال ومحمد مشتاق احمد Planning in the

islamic Tradition: The Case of Hijrah Expidition, Quarterly insights.
vol.1 issue 3.2009

۲۹۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ: دیکھیے کتابۃ بین المہاجرین والا نصار و موادعۃ یہود، ص ۱۴۷۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ: موادعۃ الیہود، ج ۲، ص ۴۰۹۔۴۱۱

۳۰۔ مواخاۃ کے بارے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے: فاروقی، محمد یوسف۔ عہد رسالت میں معاشرے اور مملکت کی تشکیل ص ۹۲۔۱۰۷۔ ضیاء المعری، اکرم، مدنی معاشرہ۔ ترجمہ عذرا نسیم فاروقی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۳۱۔ العنکبوت: ۶۹:۲۹